۱۔ "ان عمر اراد ان یقید رجلا مسلما برجل من اهل الذمة فی جراحة فقال له زید ابن ثابت اتقید عبدک من اخیک؟ فجعل عمر دیته (مصنف عبد الرزاق ج۱۰ ص۱۰۱)

۲۔ عن ابن عمر ان رجلا مسلما قتل رجلا من اهل الذمة عمدا و رفع الی عثمان فلم یقتله وغلظ علیه الدیة مثل دیة المسلم (بیہقی ج۸ ص۳۳)

۳۔ حدثنا ابن شہاب قال کان عثمان و معاویة لا یقید المشرک من المسلم (ایضاً ج۸ ص۳۳)

امام بیہقیؒ آخری آثار کے متعلق فرماتے ہیں: "الاول موصول وھذا منقطع"

۴۔ امام زہری ہی کے واسطہ سے حضرت عثمانؓ سے یہ منقول ہے کہ ابن شاس جذامی نے شام میں ایک آدمی (ذمی) کو قتل کر دیا تو حضرت عثمانؓ نے اس کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت ابن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرام کے کہنے پر انھوں نے اسے قتل کرنے کے بجائے ایک ہزار (دینار) دیت لے لی۔ اس واقعہ کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

قلت ھذا من حدیث من یجھل فان کان غیر ثابت فدع الاحتجاج به وان کان ثابتا فقد زعمت انه اراد قتله فمنعه اناس من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فرجع لھم فھذا عثمان رضی الله عنه و ناس من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم مجمعون ان لا یقتل مسلم بکافر فکیف خالفتھم (بیہقی ج۸ ص۳۳)

یاد رہے امام شافعی کا قول من یجھل دراصل تعریف انقطاع میں توسع کا نتیجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اس انقطاع پر جہالت کا اطلاق توسعاً کیا ہے ورنہ دراصل اس میں کوئی راوی مجہول ہے اور علت صرف انقطاع میں کی ہے چنانچہ علامہ ترکمانیؒ فرماتے ہیں۔

فلا ادری من الذی یجھل من ھؤلاء وکان الوجه ان یرده الشافعی بالانقطاع بین الزھری وعثمان۔ (ایضاً)

ان آثار صحابہ کے علاوہ تابعین میں سے زہری، عکرمہ اور عطاء کا بھی یہی مسلک ہے اور ان سے اس مسئلہ پر متعدد فتاویٰ بھی منقول ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اکثر اھل العلم لا یوجبون علی مسلم قصاصا بقتل کافر کان روی ذلک عن عمر و عثمان وعلی و زید بن ثابت ومعاویة وبه قال عمر بن عبد العزیز و عطاء والحسن و عکرمة والزھری وابن شبرمة ومالک والثوری والاوزاعی والشافعی واسحاق وابو عبید

والبوثورؒ وابن المنذر (المغنی ج۹ ص۳۴۱)

دلائل فریق ثانی۔ احناف نے بھی اپنے مدعیٰ کی تائید میں چند آیات سے احتجاج کیا ہے۔ مثلاً علامہ کاسانی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ:

"ولنا عمومات القصاص من نحو قوله تبارك وتعالیٰ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى" وقوله سبحانه وتعالیٰ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (بدائع ج۱۰ ص۴۶۲۵)

یعنی القصاص فی القتلیٰ اور النفس بالنفس کی عمومیت کا یہ تقاضا ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے۔

حالانکہ اس تعمیم کی تخصیص ان احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جو اس سلسلہ میں مروی ہیں اور اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ:

ومن جملة ما احتج به القائلون بانه یقتل المسلم بالذمی عموم قوله تعالیٰ النفس بالنفس ویجاب بانه مخصص باحادیث الباب (نیل الاوطار ج۷ ص۱۱)

اور یہی بات مسئلہ پر بالتفصیل روشنی ڈالنے کے بعد علامہ قرطبیؒ نے فرمائی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ:

قلت فلا یصح فی الباب الا حدیث البخاری وهو یخصص عموم قوله تعالیٰ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الایة وعموم قوله النفس بالنفس (تفسیر قرطبی ج۲ ص۲۴۷)

حافظ ابن حزمؒ دوسری آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تورات کا حکم ہے جس کے ہم مکلف نہیں اور اگر ہم مکلف ہیں تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص ہے اور انھوں نے آیت کے سیاق وسباق سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر کے لیے صدقہ کفارہ نہیں ہو سکتا جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مومنین کے ساتھ ہی خاص ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

اما قوله الله عزوجل وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس فان هذا انما کتب الله عزوجل فی التوراة ولا تلزمنا شرائع من قبل نبینا علیه الصلاة والسلام ثم لو صح اننا ملزمون ذلك لکان فی هذه الایة کالقول فی الآیات الاخر التی ذکرناها بعدها ومن الاخبار الثابتة التی اوردنا وفیها ان النفس بالنفس والیضا ففی آخر هذه الایة بیان انها فی المومنین بالمومنین خاصة لانه قال عزوجل فی اخرها فمن تصدق به فهو کفارة له" ولا خلاف بیننا وبینهم فی ان صدقة الکافر علی ولی الکافر الذمی المقتول عمدا لا تکون

حدیث البیلمانی علی تقدیر ثبوتہ منسوخ بقولہ علیہ السلام فی زمن الفتح لا یقتل مسلم بکافر (نصب الرایۃ ج۴ ص۳۳۶)

اور یہی وہ روایت ہے جس کی طرف قاضی صاحب نے ابن سلمہ اور ابن المنکدر کے نام سے اشارہ کیا ہے اور اس کی جمیع اسناد ضعیف رواۃ پر مبنی ہیں۔ امام دار قطنیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ھذا ھوالاصل فی الباب وھو منقطع ورواۃ غیر ثقۃ"

یعنی لے دے کے احناف کے نزدیک اس سلسلہ میں یہی حدیث ہے جو کہ منقطع ہے اور اس کے تمام راوی ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔

؎ بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

بہر حال اس کے علاوہ بھی اگر کوئی حدیث آتی ہے تو اس میں بھی عبداللہ بن یعقوب اور عبداللہ بن عبدالعزیز جیسے مجہول راوی ہی ہیں۔

آثار: اس کے بعد اصحاب الرائے نے جن آثار کا سہارا لیا ہے ان میں سرفہرست حضرت علیؓ کا فیصلہ ہے جس کا ذکر قاضی صاحب نے بھی کیا ہے کہ آپ نے اہل حیرہ میں سے ایک قتل کے بدلہ میں ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ (ملخصاً) لیکن یہ اثر حضرت علیؓ سے کسی صحیح سند سے مروی نہیں کیونکہ اس میں متعدد رواۃ ضعیف اور متکلم فیہ ہیں مثلاً حسن بن میمون۔ علی بن مدینی کہتے ہیں لیس بمعروف اور قیس بن ربیع کو امام نسائیؒ نے متروک، دار قطنیؒ نے ضعیف، کہا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ولہ احادیث منکرۃ وکان کثیر الخطاء ابن معین فرماتے ہیں ضعیف لا یکتب حدیثہ۔

ان کے علاوہ اس سند کا مدار ابو الجنوب ہے جس کے متعلق ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف بین الضعف لا یشتغل بہ اور امام دار قطنیؒ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

یعنی یہ اثر بلحاظ سند اس قابل نہیں کہ اس سے احتجاج ہو سکے بالخصوص جبکہ دوسری روایت میں خود علیؓ یہ مرفوع الفاظ بیان کرتے ہیں کہ لا یقتل مسلم بکافر تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو فرمانِ نبوی کا علم بھی ہو اور اس کی مخالفت بھی کریں۔ امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے یہی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وفی حدیث ابی جحیفۃ عن علی لا یقتل مسلم بکافر دلیل علی ان علیاً لا یروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً یقول بخلافہ (نصب الرایۃ ج۴ ص۳۳۷)

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اور وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کے علاوہ الاسلام یعلو ولا یعلی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔

احادیث: احناف جن احادیث سے احتجاج کرتے ہیں ان میں سرفہرست ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ:

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل مسلما بمعاهد وقال انا اکرم من وفی بذمته (دارقطنی ص ۱۳۵ ج ۳)

لیکن یہ حدیث بوجہ ضعف قابلِ استدلال نہیں کیونکہ اس میں متعدد رواۃ متکلم فیہ ہیں مثلاً:

عمار بن مطر — جس کو ابن حبان نے سارق الحدیث، رازی نے یکذب، اور ابن عدی نے احادیثہ بواطیل کہا ہے۔

ابراہیم بن محمد — امام احمد فرماتے ہیں یروی احادیث لیس لہا اصل قطان نے کذاب کہا ہے اس کے علاوہ امام بخاری، دارمی، نسائی اور دارقطنی جیسے اصحابِ فن نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

اس حدیث کو امام دارقطنی نے سنن میں متعدد طرق سے ذکر کیا ہے لیکن مدار دو راویوں پر ہے اول عمار بن مطر جس پر سند کا مدار ہے اور علامہ محدث ڈیانوی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

والحمل فیہ علی عمار بن مطر الرهاوی وکان یقلب الاسانید ویسرق الحدیث حتی کثر ذلک فی روایاتہ وسقط عن حد الاحتجاج (سنن دارقطنی حاشیہ ص ۱۳۵ ج ۳)

دوسرا راوی عبد الرحمان بن البیلمانی ہے جس سے یہ روایت کبھی موصول اور کبھی مرسل طور پر منقول ہے لیکن اس کا موصول بیان کرنا عمار کی غلطی ہے اور ابن بیلمانی اسے مرسل ہی بیان کرتا ہے تاہم وہ بھی ضعیف ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں:

وابن البیلمانی ضعیف لاتقوم بہ حجۃ اذا وصل الحدیث فکیف بما یرسلہ (سنن ص ۱۳۵ ج ۳)

بہرحال یہ حدیث فنی نقطۂ نظر اور روایت و درایت کے اعتبار سے اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔

نیز علامہ حازمی نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ ابن بیلمانی کی حدیث اگر ثابت بھی ہو تو اسے فتح مکہ کے خطبہ کی وجہ سے منسوخ سمجھا جائے گا۔ امام شافعی کے الفاظ ہیں:

كفارته لـه فبطل تعلقهم بهذه الاية (محلى ص ۳۵۱ ج ۱۰)

اور پہلی آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

وهذا النص جلى بانها فى المومنين خاصة بينهم فى بعض فقط لانهم اخوة كلهم فاستغفرهم وصالحهم عبدهم وحرهم وليس اهل الذمة ولا الكفار اخوة لهم (محلى ص ۳۵۲ ج ۱۰)

یعنی اس کا مدلول بھی مومنین ہی ہیں جن میں باہمی اخوت کا رشتہ ہے اور ان کا کوئی طبقہ اس رشتہ سے بالاتر نہیں جبکہ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان اس قسم کی اخوت کا کوئی ناطہ نہیں ہے۔ امام شافعی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"فمن عفى لـه من اخيه شيئ" لانه جعل الاخوة بين المومنين فقال انما المومنون اخوة وقطع ذلك بين المومنين والكافرين ودلت سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم على ظاهر الاية (كتاب الام ص ۳۲ ج ۶)

یعنی ان آیات کی اس حدیث کے ساتھ تخصیص ہو سکتی ہے جیسا کہ علامہ زیلعی نے حدیث عائشہ کے الفاظ "ورجل يقتل مسلما متعمدا" کو ابن مسعودؓ کی روایت کے الفاظ النفس بالنفس کی تفسیر و تخصیص کہا ہے۔ تاہم اگر اس تخصیص بالحدیث کو تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بقول حافظ ابن حزم ان آیات کی تخصیص ان مذکورۃ الصدر آیات سے بھی ہو جاتی لہٰذا اس تعمیم سے احتجاج و استدلال کا کوئی جواز نہیں اور اسی قبیل سے ومن قتل مظلوماً کی تخصیص ہے۔

اسی طرح احناف کی طرف سے پیش کردہ آیت وجزاء سيئة سيئة مثلها کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حزم فرماتے ہیں۔

واما قوله تعالى وجزاء سيئة سيئة مثلها فهو ايضا فى المومنين بينهم ايضا خاصة لان نصها "وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفى واصلح فاجره على الله" ولا خلاف فى ان هذا ليس للكفار ولا اجر لهم البتة (محلى ص ۳۵۲ ج ۱۰)

یعنی یہ آیت بھی مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ کفار کے لیے تو کسی صورت میں بھی اجر نہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وان عاقبتم فعاقبوا بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ کفار کے لیے وہ صبر کریں یا نہ کریں ان کو خیر یا اجر نہیں ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا"

بہرحال ان آیات کی تخصیص صریحہ اور تاویل صحیحہ کے علاوہ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

شائد خدا آج کے بھٹکے ہوئے مسلمان کو ہدایت عنایت فرمادے اور آج کے احناف بھی اسی طرح حدیثِ نبوی کو حرفِ آخر سمجھنے لگیں۔ قصہ ہے امام زفرؒ کا — امام موصوف مملکتِ حنفیہ میں کوئی محتاجِ تعارف نہیں۔ حنفی مسلک کے بیشتر مسائل میں فتویٰ ان کے قول پر ہوتا ہے۔ ان کا ذکر ہے کہ ایک دن ان سے عبدالواحد بن زیاد کی ملاقات ہوئی انھوں نے کہا زفر صاحب کیا ہوا کہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تالیاں بجاتے ہیں اور ہر مجلس کا موضوعِ سخن آپ بنے ہوئے ہیں۔ امام صاحب نے کہا بات کیا ہے۔ انھوں نے کہا ایک طرف تمہارا دعویٰ ہے کہ شبہات کی بنا پر حدود کو دور کرنا چاہیے لیکن دوسری طرف سب سے بڑی حد کو قائم کر رہے ہو محض شبہات کی بنا پر۔ وہ ہے کیا؟ امام زفرؒ نے کہا — ابن زیاد نے کہا نبی علیہ السلام نے تو فرمایا ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا مگر تم ہو کہ قتل کا فتویٰ دیتے ہو۔ امام زفرؒ فرمانے لگے میں شہادۃً کہتا ہوں کہ آج سے میں اس مسئلہ سے رجوع کرتا ہوں۔ (ملخصاً من البیہقی)

امام زفرؒ کا یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادیؒ حافظ ابوبکرؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

کان زفر بن الھذیل من افاضل اصحاب ابی حنیفة فلما حاجه عبد الواحد فی مناظرته دفت فی عضده بحجته اشھد علی رجعته خیفة من صدع بدعی ثباته علی قوله الذی سبق منه بعد ان تبین له انه زلة وخطاء فکذلك یجب علی کل من احتج علیه بالحق ان یقبله ویسلم له ولا یحمله اللجاج والمراء علی التقحم فی الباطل مع علمه به قال اللہ تعالیٰ "بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغه فاذا ھو زاھق" (کتاب الفقیه والمتفقه ص ۱۵۷ ج ۲)

قاضی ابو یوسفؒ کی پشیمانی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ قاضی ابو یوسفؒ کے ساتھ پیش آیا کہ آپ نے ایک دفعہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا لیکن تعمیلِ حکم سے قبل آپ کے پاس کسی نے رقعہ پہنچایا جس پہ درج ذیل اشعار تحریر تھے۔

یا قاتل المسلم بالکافر	جرت وما العادل کالجائر
یا من ببغداد واطرافھا	من علماء الناس او شاعر
استرجعوا وابکوا علی دینکم	واصطبروا فالاجر للصابر
جار علی الدین ابو یوسف	بقتله المومن بالکافر

(الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۳۱)

یہ تھا کہ مسلمان اور ذمی ایک برابر نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا۔ لا تقتل منہ بہرحال یہ اثر بھی اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اور دیگر قرائن صارفہ اور مخالفِ حدیث ہونے کی بنا پر مردود ہے۔

نیز اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شہادتِ عمرؓ پر جب عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور ابولؤلؤ کی بچی کو قتل کر دیا تو حضرت علیؓ نے اسے بھی قصاصاً قتل کرنے کا فیصلہ کیا حالانکہ ہرمزان مسلمان نہیں تھا۔ (ملخصاً)

لیکن یہ بات اس وجہ سے صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ ابو لؤلؤ کی مقتولہ بیٹی مسلمان تھی اور یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ کیا ہرمزان اس وقت مسلمان تھا یا نہیں؟ کیونکہ امام شافعیؒ نے اس کا اسلام ذکر کیا ہے بلکہ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے اسلام پر اس کے لیے دو ہزار درہم اس کو دیے اور قتل کیے جانے کے وقت اس کا لا الٰہ کہنا صرف تعجب کی بنا پر ہو سکتا ہے یا عبید اللہ کے اتہام پر اسے مطلع کرتا تھا۔ (دالتفصیل نصب الرایۃ ص ۳۳۶ ج ۴)

ابن منذر فرماتے ہیں۔ لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر یعارضہ ولانہ لا یقاد المسلم بالکافر فیما دون النفس بالاجماع کما قال ابن عبد البرؒ (فقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۲۸۳ ج ۵)

امام زفرؒ کا رجوع۔ محترم قارئین کرام آپ نے دونوں طرف کے دلائل پڑھ لیے لہٰذا اب ہمیں مزید کسی قسم کی بحث لکھنے یا کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ خود فیصلہ فرمائیں کس فریق کے دلائل مبنی بر حقیقت و صحت ہیں؟ اور کس فریق کے دعویٰ کی بنیاد دلائل قویہ، اور احادیث صحیحہ پر ہے اور جس بات کو صحیح پائیں اس پر عمل کریں اگر حنفی مسلک صحیح ہے تو اسے اپنائیں اگر شافعی مذہب درست ہے تو اسے اپنانا بھی آپ کا فرض ہے لیکن یاد رکھیے ایک طرف نبی علیہ السلام سے صحیح حدیث مروی ہے دوسری طرف آپ کا کوئی صحیح فرمان نہیں، ایک طرف صحابہؓ کا جمِ غفیر ہے دوسری طرف کوئی صحابی نہیں۔ ایک طرف تابعین کی معتد بہ جماعت ہے، دوسری طرف کسی تابعی سے بھی صحیح قول منقول نہیں۔ ایک طرف مسلمان کی عزت و وقار کا مسئلہ ہے دوسری طرف غیر مسلم کو میت ایک طرف اسلام کی سر بلندی کا مسئلہ ہے دوسری طرف کفر و الحاد۔ غرضیکہ ایک طرف حنیفیت ہے دوسری طرف حنفیت —— اب آپ کے امتحان کا وقت ہے کہ آپ کس راہ کو پسند فرماتے ہیں ہم اس سلسلہ میں حکم دینے کے مجاز تو نہیں البتہ ریاست حنفیہ کے ستون کی مثال پیش کرتے ہیں کہ

اگر وہ اثر صحیح بھی ہو تو اسے اس حدیث کی اطلاع کے بعد ناسخ سمجھا جائے گا کیونکہ وصولِ حدیث کے بعد حضرت علیؓ کا اپنے فتویٰ پر مصر رہنا وغیرہ خلافِ حقیقت اور مقامِ صحابیت کے بھی خلاف ہے (یعنی اصولی نقطۂ نظر سے بھی حضرت علیؓ سے یہ اثر صحیح معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے قابلِ استدلال سمجھا جائے گا، نیز ہم حضرت کے قول کے مکلف بھی نہیں بالخصوص جبکہ نبی علیہ السلام سے اس کے خلاف صحیح حدیث مروی ہو۔

آثارِ صحابہ کے ضمن میں ایک اثر قاضی صاحب نے حضرت عمرؓ سے بھی پیش کیا ہے جو کہ حیرہ مقام کے نصاریٰ کے ساتھ متعلق ہے جس میں آپ نے قتل کا حکم فرمایا اور بعد میں فرمایا کہ اگر وہ ابھی قصاصاً قتل نہیں کیا گیا تو اسے قتل نہ کیا جائے لیکن سوءِ اتفاق سے وہ قتل کیا جا چکا تھا۔ اس اثر کو بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ اثر بھی بوجوہ قابلِ احتجاج معلوم نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ اس کی اسنادی حیثیت کمزور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عمرؓ سے روایات نقل کرنے کے بعد امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ۔

"قلنا ولا حرف وهذه احاديث منقطعات او ضعاف او تجمع الانقطاع و الضعف جميعاً" (بیہقی ص۳۳ ج۸)

ثانیاً: حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ شام میں ایک ذمی کو مسلمان نے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اسے قصاصاً قتل کر دینے کو کہا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے منع فرما دیا آپ نے ابو عبیدہؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کیا تم غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرو گے تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ (ملخصاً) اور عین ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا دوسرا حکم اتناعی اسی قبیل سے ہو کہ آپ نے بعد میں اس کے قتل سے روک دیا تھا غالباً اس طرف اشارہ کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

الذی رجع الیه اولیٰ به و لعله اراد ان یخیفه بالقتل ولا یقتله (بیہقی ص۳۲ ج۸)

اور مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ہیں کہ، قدم عمر بن الخطاب الشام فوجد رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الذمة فهم ان یقید فقال له زید بن ثابت اتقید عبدك من اخيك؟ فجعل عمر دیته (مصنف عبد الرزاق ص۱۰۱ ج۱۰)

ثالثاً، حضرت عمرؓ کے متعلق بھی یہ گمان رکھنا قرینِ انصاف نہیں کہ آپ نے ارشادِ نبوت کے باوجود ایسا حکم جاری فرمایا ہو جو نبی علیہ السلام کے حکم کے منافی ہو۔ کیونکہ "مصنف" ہی کی دوسرے واقعہ کے ضمن میں حضرت معاذؓ نے آپ کو نبی علیہ السلام سے روایت بھی سنائی تھی جس کا مطلب

جب یہ اشعار قاضی صاحب کے پاس پہنچے تو آپ فوراً خلیفۂ وقت ہارون الرشید کے پاس گئے اور یہ واقعہ کہہ سنایا تو ہارون الرشید نے کہا اب کسی حیلہ سازی کے ساتھ اس واقعہ کا تدارک کرو چنانچہ قاضی صاحب نے دوبارہ ورثاء مقتول کو طلب کیا اور شہادت لانے کو کہا لیکن وہ کوئی دلیل نہ لا سکے تو آپ نے پہلا حکم واپس لے لیا یعنی ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا گیا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر پہلا حکم مبنی بر حقیقت و شریعت تھا تو قاضی صاحب کے رجوع کا کیا حکم ہے؟ اور قتل کا بوجھ کس پر ہوگا؟ لیکن پہلی بات چونکہ ویسے ہی غلط تھی تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ لیکن اس رجوع کے محرکات کیا تھے یہ انما الاعمال بالنیات کا مسئلہ ہے لیکن افسوس کہ علامہ ماوردی لکھتے ہیں۔

والتوصل الی مثل ھذا سائغ عند ظھور المصلحۃ فیہ (ایضاً)

یعنی مصلحت کے طور پر ایسی حیلہ سازی جائز ہے۔ نیز گویا کہ قاضی صاحب کا رجوع حقیقی نہ تھا بلکہ ایک وقتی ہنگامے کو روکنے کے لیے حیلہ پر مبنی تھا۔ قارئین عظام! یہی وہ حیلہ سازی ہے جو دین میں رخنہ اندازی کے مترادف ہے۔ فتدبروا۔

ہم حسن ظن کے پیش نظر سمجھتے ہیں کہ قاضی صاحب نے رجوع کر لیا تھا کیونکہ مجتہد یخطی و یصیب لیکن جب اسے معلوم ہو جائے کہ وہ غلطی پر ہے تو اسے رجوع کر لینا چاہیے اور مجتہد کی شان بھی یہی ہے اسی طرح اصولی نقطۂ نگاہ سے جب ایک مجتہد صحیح حدیث سے استدلال کر رہا ہو اور دوسرا ضعیف حدیث سے۔ تو ضعیف حدیث سے استدلال کرنے والا خطا اور غلطی پر ہوتا اور صحیح حدیث سے استدلال کرنے والا مصیب ہوتا ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی نوعیت ہے کہ امام شافعیؒ صحیح حدیث (جو کہ بخاری کے حوالہ سے گزر چکی ہے) سے استدلال کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کا استدلال ضعیف روایت سے ہے (کما مر) تو اس اصول کے پیش نظر امام شافعیؒ درستگی پہ ہوئے اور امام ابو حنیفہؒ غلطی پر ——— اس بحث کو مولوی شبیر احمد عثمانی نے اپنے رسالہ ہدیہ سنیہ میں فتاوی ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے امام احمد کے قول کے ساتھ یوں لکھا ہے کہ:

اذا کانت الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیحۃ فاخذ بھا رجل واخذ اخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحتج بالشیء الضعیف کان الحق

فیما اخذ به الذی احتج بالحدیث الصحیح وقد اخطأ الآخر فی التاویل مثل لایقتل مومن بکافر واحتج بحدیث البیلمانی قال فهذا عندی مخطئ والحق مع من ذهب الی حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم لایقتل مومن بکافر (مجموعہ رسائل ثلاثه۔ ص)

کیا پھر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ہم خیال کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مخطی نہیں؟ کیونکہ نہیں ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ امام زفر اور قاضی ابویوسف نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے صرفِ نظر فرمائے اور آج ہم کو بھی ان کی طرح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی توفیق بخشے۔ بالخصوص آج کے احناف کو جو اس روشنی کے دور میں بھی انہی فرسودہ مسائل کو از سرِ نو جگا رہے ہیں جن سے ان کے پیشرو حضرات رجوع کر چکے ہیں یہ توفیق ملے کہ وہ ایسی خدمتِ اسلام سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کی تحقیق پر چلنے کی توفیق دے کہ وہی عین روحِ اسلام کے مطابق ہے آپ فرماتے ہیں:

لایقتل مومن عبد ولا حر ولا امرأة بکافر فی حال ابدا وکل من وصف الایمان من اعجمی او ابکم یعقل ویشیر بالایمان ویصلی فقتل کافرا فلا قود علیه وعلیه دیته فی ماله حالة سواء اکثر القتل فی الکفار او لم یکثر وسواء قتل کافرا علی مال یاخذه منه او علی غیر مال لایحل والله اعلم قتل مومن بکافر بحال فی قطع طریق ولا غیره۔ (کتاب الام ص۳۳ ج۶)

علم کے موتی

۱۔ کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ مرتب محمد خالد سیف ۴/۲۵

۲۔ قول فیصل۔ ابوالکلام آزادؒ	۶/۵۰	۸۔ قیدِ فرنگ مولانا حسرت موہانیؒ	۷/۵۰
۳۔ انسانیت موت کے دروازہ پر، ابوالکلام آزادؒ	۹/-	۹۔ سرمایۂ افکار۔ پروفیسر سعید اختر	۸/-
۴۔ بلوغ المرام (عربی) ابن حجر عسقلانیؒ	۳۵/-	۱۰۔ جنت دیاں شہزادیاں۔ مولانا علی محمد صمصامؒ	۶/۵۰
۵۔ مسلمان عورت، ابوالکلام آزادؒ	۱۲/-	۱۱۔ تذکرہ۔ ابوالکلام آزادؒ (زیر طبع)	
۶۔ نماز تراویح علامہ ناصر الدین البانی	۶/۵۰	۱۲۔ محمد بن عبدالوہابؒ مسعود عالم ندویؒ	۱۰/-
۷۔ کالا پانی۔ محمد جعفر تھانیسریؒ	۸/۵۰	۱۳۔ تربیت نسواں۔ محمد خالد سیف	۵/-

ملنے کا پتہ:۔ الاخوان چنیوٹ بازار فیصل آباد

مولانا عبدالرحمان کیلانی

ہجری تقویم (۲)

دن معلوم کرنے کے طریقے

قمری مہینہ اور سال کی مدت

چاند جب زمین کے گرد اپنا ایک چکر ختم کرتا ہے تو یہ مدت قمری مہینہ کہلاتی ہے۔ چاند کی تین قسم کی حرکات ہیں (۱) اپنے محور کے گرد (۲) زمین کے گرد اور (۳) زمین کی معیت میں سورج کے گرد۔

سیاروں کے مدار پورے مدور نہیں ہوتے بلکہ بعض قوانین حرکت کے تحت بیضوی شکل اختیار کر جاتے ہیں، جب کوئی سیارہ گردش کرتے وقت اپنے مرکزی سیارے یا ستارے کے قریب ہوتا ہے تو اس کی رفتار نسبتاً تیز ہو جاتی ہے اور جب دور ہوتا ہے تو یہ رفتار قدرے کم ہو جاتی ہے۔ قمری ماہ کی اوسط مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور تقریباً ۳ سیکنڈ قرار دی گئی ہے یہ اوسط مدت ہے۔ ورنہ فی الواقع یہ مدت کسی ماہ ۱۳ گھنٹے تک بڑھ جاتی ہے اور کبھی دو گھنٹے تک کم بھی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح قمری سال کی مدت ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۳۴ سیکنڈ قرار دی گئی ہے۔ یہ بھی حقیقتاً اوسط مدت ہے۔ قمری سال کبھی چند گھنٹے بڑھ جاتا ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے اور یہ فرق اتنا خفیف ہے کہ کوئی قمری مہینہ نہ تو ۲۹ دن سے کم ہو سکتا ہے اور نہ ۳۰ دن سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح قمری سال کم از کم ۳۵۴ دن اور زیادہ سے زیادہ ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے۔

عموماً حساب میں ۳۴ سیکنڈ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ۲۵۴۱ سال بعد قمری تقویم میں ایک دن کا اضافہ ہو جائے گا۔ یہ اضافہ کس سال اور کس ماہ میں ہو گا اور کون کرے گا؟ اس کے لیے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ چاند خود بخود اپنے حساب سے یہ اضافہ کر لے گا۔

دورِ صغیر

قمری تقویم میں ۳۰ سال کے بعد دنوں کی کسور خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم قمری سال کی مدت ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ یا $354\frac{11}{30}$ کو ۳۰ سے ضرب دیں تو پورے ۱۰۶۳۱ دن حاصل ہوتے ہیں۔ ان تیس سالوں میں ۱۹ سال ۳۵۴ دن کے ہوتے ہیں اور باقی ۱۱ سال ۳۵۵ دن کے۔ ۳۵۵ دن والے سال کو ہم اپنی سہولتِ تحریر کی خاطر لیپ کا سال کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ یہ کوئی اختراعی اضافہ نہیں ہے۔ ان تیس سالوں میں مندرجہ ذیل سال ۳۵۵ دن والے یا لیپ کے سال ہوتے ہیں[1]۔

سال نمبر ۲، ۵، ۷، ۱۰، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۹

بقایا ۱۹ سال ۳۵۴ دن کے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب آپ کو "ہجری تقویم دائمی" کے باب میں مل جائے گا جو ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ مختصر جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ چاند کی چال کے حساب کی رُو سے ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں جو تقاویم تقابلی متداول ہیں ان میں یہ طریق اختیار کیا جاتا ہے کہ اگر سال ۳۵۴ دن کا ہو تو پہلا مہینہ یعنی محرم ۳۰ دن کا شمار کر لیا جاتا ہے دوسرا ۲۹ دن کا تیسرا پھر ۳۰ دن کا چوتھا ۲۹ دن کا۔ علیٰ ہذا القیاس آخری ماہ ذی الحجہ ۲۹ دن کا قرار دے کر ۳۵۴ دن پورے کر لیے جاتے ہیں اور اگر سال ۳۵۵ دن کا ہو تو آخری ماہ ذی الحجہ کو بھی ۳۰ دن کا شمار کر لیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ طریق مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اس طریقۂ کار میں کوئی مخصوص مہینہ ہمیشہ کے لیے مخصوص دنوں کا شمار کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً رمضان کا مہینہ ہمیشہ ۳۰ دن کا ہو گا۔ حالانکہ واقعتاً ایسا نہیں ہوتا۔ رمضان کا مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اور ۳۰ دن کا بھی۔ اسی طرح دوسرے تمام مہینوں کا حال ہے۔ یہ طریق حساب، حساب میں تو کام دے سکتا ہے لیکن واقعتاً صحیح نہیں ہوتا۔ نہ ہی سالانہ قمری تقویم بنانے میں کام دے سکتا ہے۔

۳۰ سالہ دَور یا دورِ صغیر کا حساب یہ ہوتا ہے کہ اس کے کسی مخصوص سال میں مہینوں کے

---

[1] قاضی سلیمان منصور پوری صاحب رحمۃ للعالمین نے لیپ کے یہ سال قرار دیے ہیں: ۲، ۵، ۸، ۱۱، ۱۳، ۱۶، ۱۹، ۲۱، ۲۴، ۲۷، ۳۰۔ لیکن نہ تو ہمارے حساب نے اس کی تائید کی اور نہ ہی تقویم تاریخی از عبدالقدوس ہاشمی اس کی تائید کرتی ہے۔

ایام اسی ترتیب، اور اسی تعداد میں آتے ہیں جتنے اور جیسے ۳۰ سال پیشتر آئے تھے یا ۳۰ سال بعد آئیں گے۔ گویا ۳۰ سال بعد یہ تقویم اپنے آپ کو دہرانا شروع کر دیتی ہے۔ مثلاً دورِ صغیر کے ۱۷ ویں سال میں رمضان اگر ۲۹ دن کا آیا ہے تو ۴۷ھ، ۷۷ھ، ۱۰۷ھ سب میں رمضان ۲۹ دن کا ہی آئے گا۔ اسی طرح اگر پانچویں سال رجب ۳۰ دن کا تھا تو ہر ۳۰ سال بعد مثلاً ۹۵ھ، ۲۱۵ھ وغیرہ کو رجب کا مہینہ ۳۰ دن کا ہوگا۔

دورِ کبیر ۷ دورِ صغیر یا ۲۱۰ سال کا ایک دورِ کبیر ہوتا ہے۔ اس کی تعیین کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں مہینہ کی تاریخوں کے علاوہ ہفتہ کے ایام بھی پہلے ہی جیسے آجاتے ہیں۔ مثلاً اگر یکم محرم الحرام ۱ھ کو جمعہ کا دن تھا اور یہ مہینہ ۳۰ دن کا تھا تو یکم محرم الحرام ۲۱۱ھ یا ۶۳۱ھ یا ۱۰۵۱ھ کو بھی جمعہ کا دن اور یہ مہینہ ۳۰ دن کا ہوگا۔

اسی طرح اگر ۱۵ رمضان ۲۴۵ھ کو بدھ کا دن اور یہ مہینہ ۲۹ دن کا ہے تو ہر ۲۱۰ سال بعد یعنی ۱۵ رمضان ۶۵۵ھ، ۸۶۵ھ، ۱۰۷۵ھ کو بدھ کا دن ہوگا اور یہ ماہ ۲۹ دن کا ہوگا۔

ان تصریحات کے بعد اب ہم کسی متعین ہجری تاریخ کا دن معلوم کرنے کے نکات پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ ہجری تقویم میں ہفتہ کا پہلا دن جمعہ اور آخری دن جمعرات ہوتا ہے۔ اگر مجموعۂ ایام کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ایک بچتا ہے تو جمعہ، ۲ بچیں ہفتہ، علیٰ ہذا القیاس اگر ۷ بچے تو جمعرات ہوتا ہے۔

۲۔ ہر دورِ کبیر کے لیے صفر کا ہندسہ لیا جائے گا کیونکہ اس میں ۱۰۶۳۱ مکمل ہفتے ہوتے ہیں اور باقی صفر بچتا ہے۔

۳۔ ہر دورِ صغیر کے لیے ۵ کا ہندسہ لیا جائے گا کیونکہ دورِ صغیر میں ۱۰۶۳۱ دن ہوتے ہیں ۷ پر تقسیم کرنے سے ۱۵۱۸ ہفتے بنتے ہیں اور ۵ دن بچ جاتے ہیں۔

۴۔ ہر عام سال کے لیے ۴ دن اور لیپ والے سال کے لیے ۵ دن شمار ہوں گے۔ کیونکہ قمری سال کے ۵۰ ہفتے اور ۴ یا ۵ دن ہوتے ہیں۔ لیپ کے سال یہ ہیں:۔

۲، ۵، ۷، ۱۰، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۹

۵۔ دن معلوم کرنے کے سلسلے میں رواں سال کے مہینوں کے دن اسی ترتیب سے لیے

جاتے ہیں، جیسے تقاویم تقابلی میں درج ہیں۔ محرم کے لیے ۰، دنوں میں سے ۲ کا ہندسہ صفر کے لیے ۱، ربیع الاول کے لیے ۲ علیٰ ہذا القیاس۔

اس طریقہ سے دن معلوم کرنے کو ہم اصولی طریق کا نام دیں گے۔

۱۔ اصولی طریق۔ اب ہم چند مثالوں سے اس طریق کار کی وضاحت کریں گے۔

مثال نمبر ۱:۔ یکم جمادی الاولیٰ ۷۰۱ھ کو کونسا دن تھا؟

حل:۔ (i) ۶۳۰ = تین دورِ کبیر (۲۱۰ × ۳) سال کے لیے = ۰ دن

(ii) ۶۰ = دو دورِ صغیر (۳۰ × ۲) 〃 〃 = ۵ × ۲ = ۱۰ دن = ۳ دن

(iii) ۱۰/۷۰۰ 〃 〃 = ۱۰ × ۴ = ۴۰ + ۴ لیپ والے دن (۲، ۵، ۷، ۱۰)
= ۴۴ دن = ۲ دن

(iv) یکم جمادی الاولیٰ تک
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ
۲ ۱ ۲ ۱ ۱ = ۷ دن =

کل دنوں کا مجموعہ (i + ii + iii + iv) = ۰ + ۳ + ۲ + ۰ = ۵ دن

جمعہ کے دن سے شروع کیجیے۔ جواب = <u>منگل</u>

مثال نمبر ۲:۔ ۱۵ رمضان ۱۲۴۷ھ کو کون سا دن ہوگا؟

حل:۔ (i) ۱۰۵۰ھ (۲۱۰ × ۵) سال کے لیے = ۰

(ii) ۱۸۰ھ (۳۰ × ۶) 〃 〃 = ۵ × ۶ = ۳۰ دن = ۲ دن

(iii) ۱۶/۱۲۴۶ سال کے لیے = (۴ × ۱۶) + ۶ سال لیپ کے = ۷۰ = ۰

(iv) ۱۵ رمضان تک
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی
۲ ۱ ۲ ۱
جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، رمضان
۲ ۱ ۲ ۱ ۱۵ یا ۱
= ۱۳ = ۶

کل دن = ۲ + ۶ = ۸ دن یا ایک دن = مطلوبہ تاریخ کو <u>جمعہ</u> ہوگا۔

مثال ۳ :- ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کون سا دن ہوگا؟

حل :- (i) ۱۲۶۰ = (۲۱۰ × ۶) سال کے لیے = ۰ دن

(ii) ۱۲۰ = (۳۰ × ۴) " " = ۵ × ۴ = ۲۰ = ۶ دن

(iii) ۱۷ سال کے لیے ۱۳۹۷ } = ۴ × ۱۷ = ۶۸ + ۶ دن لیپ کے = ۷۴ = ۴ دن

(iv) رواں سال ۲۳ جمادی الآخرہ تک۔
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی
۲ ۱ ۲ ۱ ۰
جمادی الاولی، جمادی الآخرہ
۲ ۲۳ یا ۲
} = ۱۰ = ۳

کل دن = ۶ + ۴ + ۳ = ۱۳ = ۶

جمعہ کے دن سے شمار کرنے سے مطلوبہ دن بدھ ہوگا۔

۲۔ ہجری تقویم میں دن معلوم کرنے کا مشاہداتی طریق

کسی تقویم تاریخی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر آٹھ سال بعد کسی مخصوص تاریخ کو وہی دن آجاتا ہے۔ جو ۸ سال پہلے تھا۔ مثلاً اگر ۸ رجب ۱۴۳۱ھ کو منگل ہے تو ۸ رجب ۱۴۳۹ھ کو بھی منگل ہی ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۸ سالوں کے دن ۳۵۴ دن فی سال کے حساب سے ۲۸۳۲ دن بنتے ہیں اور درمیان میں ۲، ۵، ۷، تین سال لیپ کے ہوئے۔ گویا کل ۲۸۳۵ دن ہوئے۔ جو سات پر پورے پورے تقسیم ہوجاتے ہیں۔ مشاہداتی طریق میں ۸ سال کا دور صغیر ہوا۔ یعنی ہر ۸ سال صفر شمار کیے جائیں گے۔

(۲) یہ طریق ۱۲۰ سال تک چلتا ہے۔ بعد میں ایک دن کم ہوجاتا ہے۔ مثلاً یکم محرم ۶۵ھ کو جمعرات تھا تو یکم محرم ۷۳ھ، ۸۱ھ، ۸۹ھ، ۹۷ھ علیٰ ہذا القیاس ۱۷۷ھ تک کو جمعرات ہی ہوگا۔ لیکن ۱۲۰ سال بعد یعنی یکم محرم ۱۸۵ھ کو بدھ ہوگا۔ اسی طرح یکم محرم ۳۰۵ھ کو منگل اور یکم محرم ۴۲۵ھ کو سوموار ہوگا[1] یہ دور کبیر ہے اور اس میں ہر ۱۲۰ سال کے لیے ایک دن

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کم کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلا دورِ کبیر ۴۶ سال کا تھا۔ شاید ہجری کے آغاز سے پہلے کے ۵۶ قمری سال میں اس میں شمار ہو جاتے ہیں۔

سالِ رواں کے باقی دنوں کی گنتی بحساب سابق طریق ہیئت ہی شمار کی جائے گی۔

گو مشاہداتی طریق میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے گا۔

۱۔ پہلا دورِ کبیر ۴۶ سال کے لیے = منفی ایک دن = -۱
۲۔ آئندہ ہر دورِ کبیر کے لیے (۱۲۰ سال کے لیے) = " " " = -۱
۳۔ بعد میں ہر دورِ صغیر (۸ سال) کے لیے = ۰ صفر دن
۴۔ عام سالوں کے دن بحساب ۴ دن فی سال
+ لیپ کے سال کا ۱ دن فی لیپ سال
۵ سالِ رواں کے مہینوں اور دنوں کا حساب بحساب سابق

اب ہم پہلے دی ہوئی تینوں مثالوں کی مشاہداتی طریق سے جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تا آخر اس کی تفصیل یہ ہے:۔

۶۵ھ سے	۱۸۴ھ تک	۱۲۰ سال	یکم محرم الحرام	۱۸۵ھ	بدھ کو ہوگا
۱۸۵ھ سے	۳۰۴ھ تک	۱۲۰ سال	"	۳۰۵ھ	منگل کو "
۳۰۵ھ سے	۴۲۴ھ	"	"	۴۲۵ھ	سوموار " "
۴۲۵ھ سے	۵۴۴ھ	"	"	۵۴۵ھ	اتوار " "
۵۴۵ھ سے	۶۶۴ھ	"	"	۶۶۵ھ	ہفتہ " "
۶۶۵ھ سے	۷۸۴ھ	"	"	۷۸۵ھ	جمعہ " "
۷۸۵ھ سے	۹۰۴ھ	"	"	۹۰۵ھ	جمعرات " "
۹۰۵ھ سے	۱۰۲۴ھ	"	"	۱۰۲۵ھ	بدھ " "
۱۰۲۵ھ سے	۱۱۴۴ھ	"	"	۱۱۴۵ھ	منگل " "
۱۱۴۵ھ سے	۱۲۶۴ھ	"	"	۱۲۶۵ھ	سوموار " "
۱۲۶۵ھ سے	۱۳۸۴ھ	"	"	۱۳۸۵ھ	اتوار " "

مثال ۱: یکم جمادی الاولیٰ ۱۸۷۰ھ کو کون سا دن تھا؟

حل: (i) پہلا دورِ کبیر ۶۴ سال = ۱- دن

(ii) اگلے ۵ دورِ کبیر (۵ × ۱۲۰) ۶۰۰ سال = ۵- ″

(iii) اگلے ۴ دورِ صغیر (۴ × ۸) ۳۲ ″ = صفر ″

(iv) ″ ۴ سال (۴ × ۴) + ۱ لیپ والا سال / ۱۸۷۰ھ = ۱۷ یا ۳ دن

(v) محرم، صفر، ربیع، ربیع الاول، جمادی الاولیٰ
۲ ۱ ۲ ۱ ۱ = ۷ یا صفر دن

چونکہ پانچواں سال بھی لیپ کا ہے لہٰذا ایک دن کا مزید اضافہ ہوگا۔

یعنی کل دن = ۳ + ۷ + ۱ = ۱۱ - ۶ = ۵ دن

لہٰذا جمعہ سے شروع کر کے مطلوبہ دن منگلوار ہوگا۔

مثال ۲: ۱۵ رمضان ۱۲۴۷ھ کو کون سا دن تھا؟

حل: (i) پہلے ۴۶ سال = ۱- دن

(ii) اگلے ۹ دورِ کبیر (۹ × ۱۲۰) = ۱۰۸۰ سال = ۹- یا ۲- دن

(iii) اگلے ۱۲ دورِ صغیر (۱۲×۸) = ۹۶ ″ = صفر دن

(iv) اگلے ۶ / ۱۲۴۶ = ۶×۴ = ۲۴ + ۲ لیپ والے دن
= ۲۶ = ۵ دن

(v) ۱۵ رمضان تک
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ
۲ ۱ ۲ ۱ ۲
جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، رمضان
۱ ۲ ۱ ۱۵ یا ۱
= ۱۳ یا ۶

کل دن = ۵ + ۶ = ۱۱ - ۳ = ۸ یا ۱

لہٰذا مطلوبہ دن جمعہ ہوگا۔

مثال ۳: - ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کون سا دن ہوگا۔

حل: (i) پہلے ۴۶ سال ″ = -۱ دن

(ii) اگلے ۱۱ دورِ کبیر (۱۱ × ۱۲۰) ۱۳۲۰ سال = -۱۱ = -۴ دن

(iii) اگلے ۸ سال = صفر دن

(iv) ″ $\frac{\text{۵ سال}}{۱۳۹۷}$ = ۴ × ۵ = ۲۰ + ۲ لیپ = ۲۲ = ۱ دن

(v) ۲۳ جمادی الآخرہ تک

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر
۲ ۱ ۲ ۱
جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ = ۱۰ دن
۲ ۲۳ یا ۲

کل دن = ۱۱ - ۵ = ۶

جمعہ سے شروع کرنے سے مطلوبہ دن بدھوار ہوگا۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مشاہداتی طریق اور اصولی طریق آپس میں کیسے مطابق ہو جاتے ہیں اس وضاحت کے لیے درج ذیل اشارات پر غور فرمائیے۔

یکم محرم الحرام ۱ھ کو جمعہ تھا۔ لہٰذا اصولی طریق کے مطابق یکم محرم ۲۱۱ھ کو جمعہ ہوگا۔ اور مشاہداتی طریق سے۔

پہلے ۴۶ سال کے لیے = -۱ دن
اگلے ۱۲۰ سال کے لیے = -۱ ″
اگلے ۴۲ سال (۳ دورِ صغیر) کے لیے = صفر دن
باقی ۲ سال (۲۱۰ تک) = ۴ × ۲ = ۸ + ۱ لیپ کا
= کل ۹ دن = ۲ دن

یہ منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم الحرام ۲۱۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔ اسی طرح اصولی طریق کے مطابق یکم محرم ۴۲۱ھ کو جمعہ ہے تو مشاہداتی طریق سے ہے۔